یادوں کے جھروکے

صبح طلوع ہوئی تو معمولات شروع ہو گئے، نماز، تلاوت، چائے، لیکن معمولات میں نہ وہ شگفتگی تھی، نہ وہ تازگی، نہ جوش تھا، نہ حرارت، جو اکثر اوقات ہوا کرتی ہے۔ کھڑکی سے پردہ اٹھا کر دیکھا تو آسمان، سورج، موسم ہر چیز معمول کے مطابق تھی۔ سوچوں کے سمندر میں یہ سوال گردش کرنے لگا کہ طبیعت میں اضطراب کیسا؟ وہم سمجھ کر سب جھٹک دیا، مزاج کی خبر لی تو ابھی کتاب اٹھانے کو روک رہا تھا، گھر والدہ محترمہ کو کال کرنے کے لیے جی نہیں چاہ رہا تھا۔ ایسی صورت حال اکثر مزاج کے ساتھ پیش آ ہی جایا کرتی ہے، لیکن آج لیپ ٹاپ کی طرف بڑی بے دلی کے ساتھ ہاتھ بڑھایا۔ آن کیا، فیس بک آن تھی، تو محترم آصف افتخار کا میسج تھا اور ایک ہولناک خبر بھی، عبدالستار غوری اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ کچھ ایسی خبر کہ کان سن ہو گئے، آنکھیں نم ہو گئیں، دل پسیج گیا اور دماغ ماضی کے اوراق پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ سراپا شفیق انسان اس دنیا سے رخصت ہو گئے، میرے استاد، میرے مہربان، ان کی شفقتوں کے بیان کے لیے الفاظ ڈھونڈنے پڑیں گے، یادصابن کران کی شخصیت نے میرے وجود کا احاطہ کرلیا۔

ان کی علمی شخصیت کے احاطے کے لیے تو کئی صفحات درکار ہوں گے، زمانے پر ان کے کام کے انداز اب کھلیں گے، واقعی ایسے شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موت العالِم موت العالَم۔ میں نے ان سے انگریزی اور فارسی سیکھی اور پڑھی، ان کا اسلوب بڑا ہی دل کش اور دل کو بھا جانے والا ہوا کرتا تھا۔ وہ زبان، تاریخ اور ان گنت علوم وفنون کی معرفت رکھتے تھے۔ وہ سبق کے دوران میں ان سب سے روشناس کرایا کرتے تھے، بولتے تھے تو یوں لگتا تھا جیسے آبشار ـــــ تلفظ کی ادائیگی میں خوب صورتی ـــــ سادہ سی بات میں معلومات کا سمندر۔

وہ کس طرح کے انسان تھے؟ ایک دو واقعات ہی سے اندازہ ہو جائے گا۔ ایک دن باتوں باتوں میں بتا رہے تھے

کہ وہ ایک اسکول میں ہیڈ ماسٹر ہوا کرتے تھے اور اسکول میں ایک ملازم نے ان کے خلاف درخواست دے دی اور غوری صاحب کو پولیس پکڑ کر لے گئی اور وہ جیل چلے گئے۔ کچھ دن کے بعد سزا کاٹنے کے بعد رہا ہو کر سیدھے اس شخص کے گھر گئے، اور اسے کچھ نہ کہا اور ادھر ادھر کی گپ شپ کرتے رہے، وہ بے چارہ شرمندہ ہو کر رہ گیا، غوری صاحب نے اس کو کہا: چھوڑو یار اس بات کو، تو ہم نے غوری صاحب سے پوچھا کہ آپ نے اس طرح کیوں کیا؟ تو اس عظیم انسان کا جواب تھا کہ انتظامی معاملات میں بعض اوقات سختی بھی کرنی پڑ جاتی ہے، شاید وہ شخص میری کسی بات سے نالاں ہوا ہو، اور اس نے میرا کمزور پہلو دیکھ کر وار کر دیا۔ یہ واقعہ سنانے کے بعد انھوں نے ہم سے کہا کہ آپ لوگوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں سے درگذر، معافی اور عفو کا معاملہ کریں، اور یہ بات یاد رکھیں کہ اگر آپ لوگوں کے لیے اپنے دل میں کینہ، نفرت، بغض اور عداوت رکھیں گے تو اس سے آپ کی اپنی شخصیت میں خلا پیدا ہوگا، آپ کے نفس میں خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لوگوں کو جیتنے کی کوشش کیا کریں، کسی کو ایسے معاملات میں ہرا دینے سے بعض اوقات بندہ خود ہی ہار جاتا ہے۔

کسی کی عزت نفس کا خیال رکھنا کوئی ان سے سیکھے۔ ایک بار ہم ان کی معیت میں بیٹھے ہوئے تھے تو انھوں نے کہا کہ فلاں طالب علم کو بلا لاؤ۔ ایک اسٹوڈنٹ جانے لگا تو کہا کہ میں خود جاتا ہوں اس کے پاس، کیونکہ کام مجھے ہے۔ یہ چند لفظ تھے جو ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے چن دیے، وگرنہ معاملہ کچھ یوں ہے کہ یادوں کی رم جھم جاری ہے، لطیفے، قصے، کہانیاں، دعائیں، پڑھانے کا انداز، کیا کچھ اس رم جھم میں نہیں۔ ان کی شخصیت کا اصل پہلو علمی نوعیت کا ہے، ان کا انداز تحقیق مستشرقین کے ہم پلہ ہے، اور تقابل ادیان کا کوئی سنجیدہ طالب علم ان کے کام سے صرف نظر نہ کر سکے گا۔ اللہ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے، ان کو دعا دینے کے لیے غالب سے لفظ ادھار لیے:

دے دعا کو مری وہ مرتبۂ حسن قبول
کہ اجابت کہے ہر حرف پہ سو بار آمیں

—— حافظ سعید احمد
(سابق طالب علم، المورد)